

حرف آغاز

موجودہ دور میں دعوتِ دین کے تقاضے

سید جلال الدین عمری _____

[انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشنل اسٹڈیز نئی دہلی کی جانب سے مورخہ ۲۰ جون ۲۰۲۱ء کو دعوتِ اسلامی کے موضوع پر چودھواں شاہ ولی اللہ ایوارڈ مولانا سید جلال الدین عمری نائب صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ و سابق امیر جماعت اسلامی ہند کو تفویض کیا گیا۔ اس موقع پر مولانا نے جو اظہارِ خیال فرمایا اسے سطورِ ذیل میں پیش کیا جا رہا ہے۔]

الحمد لله رب العالمين، والصلوة والسلام على رسوله الامين۔

محترم صدر مجلس اور سامعین کرام!

انسٹی ٹیوٹ آف ایجوکیشنل اسٹڈیز کی بڑی متنوع خدمات ہیں۔ یہ ایک پلیٹ فارم ہے، جس نے مختلف مکاتبِ فکر کے لوگوں کو جمع کیا اور انہیں اظہارِ خیال کے مواقع فراہم کیے، تاکہ مسائل کو حل کرنے اور انہیں نتیجہ خیز بنانے میں آسانی ہو۔ اس کی خدمات کا ایک اہم پہلو شاہ ولی اللہ ایوارڈ ہے۔ یہ ایوارڈ اصحابِ علم و دانش اور مختلف میدانوں میں نمایاں خدمات انجام دینے والوں کو دیا جاتا ہے۔ یہ ایک باوقار ایوارڈ ہے۔ اب کی بار آئی او ایس نے اسلام کی دعوت کو موضوع بنایا اور اس ایوارڈ کے لیے اس عاجز کا انتخاب کیا۔ اس کے لیے میں اس کے چیئرمین ڈاکٹر محمد منظور عالم اور اس کے ذمہ داروں کا شکر گزار ہوں۔

اس عاجز کو تصنیفی زندگی کے آغاز ہی سے جن موضوعات سے دل چسپی رہی ہے ان میں دعوت کا موضوع بھی ہے۔ اس پر اس کی پانچ کتابیں چھپ چکی ہیں۔ معروف و منکر، میں اس نے دعوت کی مختلف جہات پر خالص علمی انداز سے بحث کی ہے۔

بعض دوسری کتابوں میں بھی حسب ضرورت اس موضوع پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ اس کے علاوہ اپنے خطابات اور تقریروں میں بھی ملت کو اس اہم خدمت کی طرف متوجہ کیا ہے۔

دعوت کی اہمیت کے کئی پہلو ہیں۔ اس کا ایک پہلو یہ ہے کہ یہ ایک اہم دینی

فریضہ ہے۔ قرآن میں کہا گیا ہے:

كُنْتُمْ حَيِّوۡا۟ اُمَّةًۢ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوۡنَ بِالْمَعْرُوۡفِ وَتَنْهَوۡنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ (آل عمران: ۱۱۰)

یہ امت انسانوں کی ہدایت اور رہنمائی کے اور ان کو راہِ راست دکھانے کے لیے برپا ہوئی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اس کا دینی فریضہ ہے۔ جسے بہر حال اسے انجام دینا ہوگا۔ اس میں کوتاہی اور غفلت کا کوئی جواز نہیں ہے۔ قرآن مجید نے وضاحت کی ہے کہ دنیا میں جتنے پیغمبر آئے انھوں نے 'لسانِ قوم' میں خطاب کیا: وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا يَلْسٰنًا فَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لِهٖم (ابراہیم: ۴)۔ اس کا مقصد یہ بتایا کہ اس سے ان کا مقصد، مدعا اور غرض و غایت اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے اور اس کے بعد آدمی اس کو قبول یا رد کرنے میں آزاد رہتا ہے۔ اس پہلو سے اس کی خاص اہمیت ہے۔ لیکن ہماری مجبوری یہ ہے، خاص طور پر اس عاجز کی کہ وہ لسانِ قوم سے واقف نہیں ہے۔ لسانِ قوم سے مراد ہے مخاطب قوم، اس کی زبان، کلچر، تہذیب، اس کے مذہبی رجحانات اور اس کے تاریخی پس منظر سے واقف ہونا ضروری ہے۔ آج کے حالات میں یہ آسان نہیں معلوم ہوتا۔ ہندوستان کا معاملہ یہ ہے کہ یہاں ایک کلچر اور ایک زبان نہیں ہے، مختلف زبانیں ہیں، مختلف کلچر ہیں، مختلف تہذیبیں ہیں اور ہر علاقے کا خاص ذوق اور رجحان ہے، ان کا ادب اور لٹریچر ہے۔ ان کی وضع قطع، لباس اور غذا کا بھی فرق ہے۔ تہواروں اور مذہبی تقریبات میں بھی اختلاف پایا جاتا ہے۔ یہ اللہ کا کرم ہے کہ اس سلسلے میں میری کتابوں کے ملک کی مختلف زبانوں میں ترجمے موجود ہیں اور وہ پھیل بھی رہے ہیں۔ اس طرح لسانِ قوم سے خطاب کا مقصد کسی نہ کسی طور پر حاصل ہو رہا ہے۔

دوسری بات یہ کہ اس ملک کا سب سے بڑا مسئلہ یہ ہے کہ یہاں ایک بڑی

تعداد مسلمانوں کو اپنا حریف سمجھتی ہے۔ اگر آپ اس کے حریف ہیں تو وہ آپ کو زیر کرنے

موجودہ دور میں دعوتِ دین کے تقاضے

کی کوشش کرے گی۔ آپ کی باتوں کی طرف اس کی توجہ نہیں ہوگی۔ ہمیں اس بات کی کوشش کرنی ہوگی اور سمجھانا ہوگا کہ ہم اس کے حریف نہیں، خیر خواہ اور ہمدرد ہیں۔ ہمیں کہنا ہوگا کہ ہمارے پاس ایک پیغام ہے، اس پیغام کو آپ سنیے۔ اس سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ ہم ملک کے کسی بھی طبقے کے خلاف نہیں ہیں، بلکہ اللہ کا دین آپ کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ جب تک یہ دوری ختم نہیں ہوگی، اس وقت تک مسلمانوں کے مسائل حل نہیں ہوں گے۔ ہم سیاسی طور پر اپنے مطالبات رکھیں گے تو وہ انہیں حریف کے مطالبات سمجھیں گے، مجبور ہو گئے تو آپ کے مطالبات کو کسی درجہ میں تسلیم بھی کر لیں گے۔ مسلمان یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم مختلف میدانوں میں آپ سے پیچھے ہیں، لیکن ہمارے پاس آپ تک پہنچانے کے لیے ہمارے اور آپ کے خالق و مالک کا پیغام ہے۔ آپ اس کی طرف توجہ کریں۔ یہ بہت ضروری ہے، ورنہ ہمارے مسائل کبھی اس ملک میں حل نہیں ہو سکتے۔ اب یہ بات کہ ہم دنیا کے سامنے اسے پیش کریں، یا ملک کے سامنے، یا اس کے کسی خاص طبقے کے سامنے، بہر حال یہ سوال باقی رہے گا کہ لوگ اسے قبول کرتے ہیں یا نہیں۔

قرآن مجید کی تعلیم یہ ہے کہ کوئی اللہ کے دین کو قبول کرے یا نہ کرے، یہ اس کی مرضی ہے، لیکن بہر حال ہمیں یہ کام جاری رکھنا ہوگا۔ مخاطب کو اللہ کے دین کی دعوت دینا اور یہ بتانا کہ ہم نوعِ انسانی کی بھلائی کے لیے کام کر رہے ہیں۔ ہماری ذمہ داری ہے۔ اس کو ماننا یا ماننا ان کے اختیار میں ہے۔ اس کا امکان ہے کہ بعض علاقے اور بعض طبقات آپ کی بات کی طرف توجہ کریں اور بعض آپ کی طرف توجہ نہ کریں، لیکن اس کام سے ہم پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔ اس کے بغیر ملک میں مسلمانوں سے جو نفرت اور دوری ہے وہ ختم نہیں ہو سکتی۔ یہ حکمِ خداوندی بھی ہے اور حالات کا تقاضا بھی۔

اسلام نے شروع ہی سے یہ بات بتادی ہے کہ یہ ایک فکر ہے، اس میں انسانوں کی ہدایت کا سامان ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے کسی کو مجبور نہیں کیا ہے۔ اللہ نے انسان کو فکر و نظر کے لحاظ سے آزاد پیدا کیا ہے، اسے آزادی دی ہے اور وہ بہر حال چاہتا ہے کہ یہ آزادی باقی رہے اور یہی انسان کی امتیازی خصوصیت ہے، ورنہ اس کا شمار بھی جمادات، نباتات اور زیادہ سے زیادہ حیوانات میں ہوتا۔

قرآن نے شروع ہی سے یہ بات بتادی کہ حق اور باطل واضح کر دیا گیا ہے، اس کو قبول کرنا یا نہ کرنا آپ کے اختیار میں ہے۔ سورۃ الدھر نزول قرآن کے ابتدائی دور کی سورہ ہے۔ اس میں کہا گیا ہے: **إِنَّا هَدَيْنَاهُ السَّبِيلَ إِمَّا شَاكِرًا وَإِمَّا كَفُورًا** (الدھر: ۳)۔ ”ہم نے انسان پر سیدھا راستہ کھول دیا۔ اس کے بعد وہ یا تو اللہ کا شکر گزار بندہ ہو اور اس کی ہدایات پر عمل کرے یا ناشکری کا رویہ اختیار کرے۔ یہ اس کے اختیار کی چیز ہے۔“ یہ بات قرآن میں بار بار دہرائی گئی ہے۔ وہ انسان کی آزادی کو بہر حال باقی رکھنا چاہتا ہے اور رکھا ہے۔

ہماری ساری کوشش کے باوجود یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کوئی طبقہ ہماری بات قبول کر رہا ہے یا نہیں کر رہا ہے اور اس کی مخالفت ہو رہی ہے یا نہیں ہو رہی ہے۔ امکانات اس بات کے بھی ہیں کہ بعض علاقوں میں لوگوں کی تائید حاصل ہو اور بعض جگہ مخالفت کا سامنا ہو، لیکن بہر حال ہم پر دعوت دین کی جو ذمہ داری عائد ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ ملک کو یہ بات سمجھائی جائے کہ ہم اس کے حریف نہیں ہیں، بلکہ ایک پیغام کے حامل ہیں اور آپ سے اتنی گزارش ہے کہ اسے سنیں اور اس پر غور کریں۔

میرا خیال یہ ہے کہ دعوت کا یہ عمل بہت طویل عمل ہے۔ یہ ملک تقریباً ایک سو چالیس کروڑ کی آبادی پر مشتمل ہے، جو مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک کئی ہزار کلومیٹر پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس میں کون لوگ اور کس طبقے کے لوگ اسلام کی طرف توجہ کریں گے، اس کا فیصلہ پہلے سے نہیں کیا جاسکتا۔ ہو سکتا ہے، کہیں اس کا استقبال ہو اور کہیں اس کی مخالفت ہو۔ کسی خاص حلقے کو دیکھ کر اس کا فیصلہ نہیں کرنا چاہیے۔ بہر حال یہ اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اس پر عمل کرنا ہماری ذمہ داری ہے، دنیا اسے قبول کرے یا نہ کرے۔ یہ اس ملک کی خیر خواہی ہے اور دنیا والوں کی خیر خواہی بھی۔

اس موقع پر میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے یہ اعزاز بخشا۔ اس کے بعد میں ڈاکٹر محمد منظور عالم، چیئرمین آئی او ایس اور انسٹی ٹیوٹ کے کارکنوں کا شکر گزار ہوں کہ انھوں نے اس ایوارڈ کے لیے اس عاجز کا انتخاب فرمایا۔ جس محبت کا اظہار آپ حضرات کی طرف سے ہوا ہے اس کا اظہار ضروری ہے۔ جزا لکم اللہ

